Scholar Insight Journal
https://scholarinsightjournal.com/
Volume.2, Issue.2 (Dec-2024)

HEC PAKISTAN Y Category
ONLINE - ISSN- 3006-9785
PRINT - ISSN- 3007-245X

Sir Syed Ahmed Khan's Principles of Tafsir: A Critical and Analytical Study

سر سید احمد خاں کے اصول تفسیر: تنقیدی و تجزیاتی مطالعہ

Muhammad Arif
Ph.D Scholar, Government College University, Pakistan.Email: marifgcuf592@gmail.com
Dr. Sher Ali
Supervisor, Ex HOD, Department of Islamic Studies, Government College University Faisalabad, drsherali63@gmail.com

Abstract

This research critically examines the interpretative principles of Sir Syed Ahmad Khan (1817–1898), a prominent Muslim reformer and modernist thinker of the Indian subcontinent. His approach to Qur'anic exegesis was shaped by rationalism, modern science, and the intellectual challenges posed by colonialism and Christian missionary activities. Sir Syed emphasized the harmony between revelation and reason, maintaining that the Qur'an must be interpreted in light of natural laws and contemporary knowledge. In this framework, he rejected weak or irrational traditions, reinterpreted miracles as extraordinary but natural events, and advocated a contextual reading of Qur'anic verses. However, his rationalist methodology extended to the denial of the supernatural nature of miracles altogether, which marked a clear departure from traditional Islamic scholarship. Following his trajectory, some of his intellectual heirs went further toward rejecting hadith, creating a deeper rift with mainstream Muslim thought. Sir Syed has thus been regarded as the founder of the so-called *Naturist School (Nachri Mazhab)*, wherein he, under the influence of Western scholarship, advanced interpretive strategies that distorted centuries-old Islamic traditions and interpretive continuity. While his contributions stimulated important debates about the compatibility of Islam and modernity, they also generated serious critiques from traditional scholars who viewed his project as undermining the integrity of classical Islamic heritage. This study evaluates both the strengths and limitations of Sir Syed's hermeneutics, situating them within the wider discourse of Islamic modernism and its contested legacy in South Asian intellectual history.

Keywords: Sir Syed Ahmad Khan, Qur'anic exegesis, rationalism, miracles, denial of hadith, Naturist School, Islamic modernism, hermeneutics

تعارف

یہ تحقیق سر سید احمد خان (1817–1898) کے اصولِ تفسیر کا تنقیدی مطالعہ پیش کرتی ہے۔ سر سید برصغیر کے ایک نمایاں مسلم مصلح اور جدید فکر کے حامل مفکر تھے۔ ان کے قرآنی فہم پر عقلیت پسندی، سائنسی علوم سے وابستگی، اور عہدِ استعمار میں مسیحی مشنریوں کے فکری چیلنجز کے جواب دینے کے رجحان نے گہرا اثر ڈالا۔ انہوں نے وحی اور عقل کے مابین ہم آہنگی پر زور دیا اور اس بات کی وکالت کی کہ قرآن کو قدرتی قوانین اور عصری علوم کی روشنی میں سمجھا جانا چاہیے۔ اس تجزیاتی مطالعے میں ان کے اہم اصولِ تفسیر پر بحث کی گئی ہے، جن میں کمزور یا غیر معقول روایات کا انکار، عقل کی بالادستی، معجزات کی عقلی تعبیر، اور آیاتِ قرآنیہ کی سیاقی تفہیم شامل ہیں۔

سر سید احمد خان کے اصولِ تفسیر

قرآن مجید اللہ تعالیٰ کی آخری آسمانی کتاب ہے جو قیامت تک آنے والے تمام انسانوں اور جنات کی رہنمائی کے لیے نبی آخر الزماں ﷺ کے قلب مبارک پر وحی کے ذریعے نازل ہوئی۔ یہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے، اور اس کے صحیح مفاہیم اور وضاحت کے لیے اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب ﷺ کو منتخب فرمایا۔ اسی وجہ سے صحابۂ کرامؓ اپنی طرف سے قرآن کی تشریح نہیں کرتے تھے، بلکہ جب کسی آیت کے بارے میں اشکال پیش آتا تو براہِ راست حضور اکرم ﷺ کی بارگاہ میں رجوع کرتے۔ بعد میں صحابۂ کرامؓ نے نبی کریم ﷺ کے اس منہج کی پیروی کرتے ہوئے جو تشریحات پیش کیں انہیں علما نے "تفسیر بالماثور" کہا، جبکہ ذاتی رائے اور اجتہاد پر مبنی تشریحات کو "تفسیر بالرائے" کا نام دیا گیا۔ بعض لوگوں نے اس سے بھی آگے بڑھ کر سلف صالحین کے طریقہ کار کو چھوڑتے ہوئے اپنی خواہشات اور آراء کی بنیاد پر تفسیریں لکھیں، جنہیں علما نے "تفسیر بالرائے مذموم" قرار دیا۔ حقیقت یہ ہے کہ قرآن کی تفسیر میں انحراف کا بنیادی سبب اس حقیقت کو نظر انداز کرنا ہے کہ یہ دراصل اللہ تعالیٰ کا کلام ہے، جسے محض ذاتی رائے یا خواہش کے تابع نہیں کیا جا سکتا۔ اور اس کے مفاہیم اور مطالب وہیدرست ہیں جو اس کے مخاطب اول یعنی نبی کریم ﷺ نے سمجھے اور سمجھائے ہیں۔ اس کے علاوہ جو کچھ ہے، وہ یا تو علمی و روحانی نکات ہیں جو قلبِ مؤمن پر القاء ہوتے ہیں ۔ باقی رہے اٹکل پچو باتیں تو قرآنی الفاظ ان کے متحمل نہیں ہو سکتے۔ لہذا اس احتیاط کے پیشِ نظر علماء اسلام نے تفسیر کے باب میں کچھ اصول و ضوابط متعین کئے ہیں۔ جنہیں اصولِ تفسیر کا نام دیا گیا ہے۔ ان اصولِ تفسیر سے مراد ایسے اصول و قواعد ہیں جو مفسرینِ قرآن کے لئے نشانِ منزل کی تعیین کرتے ہیں۔ تاکہ کلام اللہ کی تفسیر کرنے والا ان کی راہ نمائی اور روشنی میں ہر طرح

کے ممکنہ خطرات سے محفوظ رہے اور اس کے منشاء و مفہوم کا صحیح ادراک کر سکے۔ لہذا اس فصل میں سر سید احمد خان کے متعین کردہ اُن اصول اور قواعد کا تجزیاتی مطالعہ کیا جائے گا جن کو انہوں نے اصول تفسیر کا نام دیا اور ۱۸۹۲ء میں سر سید احمد خان نے انہی اصول و ضوابط پر مشتمل "تحریر فی اصول التفسیر" کے نام سے ایک کتابچہ چھپوا کر شائع کیا۔ سر سید نے اپنی تفسیر کی بنیاد انہی اصول و ضوابط پر رکھی۔ سر سید کے متعین کردہ اصولِ تفسیر کا اجمالی تعارف درج ذیل ہے۔

سر سید کے متعین کردہ اصولِ تفسیر کا اجمالی تعارف

الاصل اول: یہ بات مسلم ہے کہ ایک خدا خالق کائنات موجود ہے۔

الاصل الثانی: یہ بھی مسلم ہے کہ ذاتِ باری تعالی نے انسانوں کی ہدایت کے لئے انبیاء مبعوث فرمائے ہیں اور محمد ﷺ رسولِ برحق و خاتم المرسلین ہیں۔

الاصل الثالث: یہ بھی مسلم ہے کہ قرآن مجید کلام الہی ہے۔نزل علی قلبِ محمد ﷺ او یوحی الیه وانه علیه الصلوة والسلام ۔ماینطق عن الهوی ان هو الا وحی یو حی ۔

الاصل الرابع: قرآن مجید کے نزول کے حوالے سے عام علماء اسلام کا مذہب یہ کہ قرآن مجید جبرئیل کے ذریعے سیدنا محمد ﷺ پر نازل ہوا جبکہ میرا خاص مذہب اس حوالے سے یہ ہے کہ ملکہ نبوت (جسے روح الامین سے تعبیر کیا گیا ہے) نے نبی کریم ﷺ کے قلب مبارکہ پر (الفاظ و معانی دونوں کے ساتھ) القاء کیا ہے۔ناکہ نازل ہوا۔

الاصل الخامس: قرآن مجید بالکل سچ ہے اور اس میں کوئی بات واقع مندرج نہیں ہے۔جیسا کہ قرآن میں ہے۔لا یاتیہ الباطل من بین یدیہ ولا من خلفہ تنزیل من حکیم حمید۔

الاصل السادس: اللہ تعالی کی صفات جو قرآن میں وارد ہوئیں ہیں وہ سچ ہیں اور صحیح ہیں مگر ان صفات کی ماہیت من حیث ھی ھی جاننا مافوق العقل انسانی ہے۔لہذا ان صفات کی جو کیفیت اور حیثیت ہمارے ذہنوں میں بنتی ہے بعینہ اسی طرح ذاتِ باری تعالی پر جو واجب الوجود ہے منسوب (اطلاق) نہیں کر سکتے۔.

الاصل السابع: صفات باری تعالی عینِ ذات ہیں ناکہ غیر عینِ ذات اور تمام صفات ازلی و ابدی ہیں۔

الاصل الثامن: جس طرح قرآن مجید میں اللہ تعالی کے قولی وعدوں کا ذکر ہے اسی طرح اللہ تعالی کا ایک عملی وعدہ بھی ہے اور وہ ہے قانون فطرت (naturalism)۔یعنی اس کا فرمان قولی وعدہ ہے اور قانونِ فطرت، اللہ تعالی کا عملی وعدہ ہے۔اور ان دونوں قولی اور عملی وعدوں میں تخلف محال ہے۔یعنی یہ ممکن نہیں کہ اللہ تعالی اپنے وعدے پورے نہ کرے اور یہ

بھی ممکنات میں سے نہیں کہ کوئی کام قانونِ فطرت (naturalism) کے خلاف (یعنی مافوق الفطرت یا مافوق العقلِ انسانی) واقع ہو۔ارشاد باری تعالی ہے۔

رَبَّنَآ اِنَّکَ جَامِعُ النَّاسِ لِیَوْمٍ لَّا رَیْبَ فِیْهِ اِنَّ اللّٰهَ لَا یُخْلِفُ الْمِیْعَادَ۔[1]

کَانَ وَعْدُهٗ مَفْعُوْلًا۔[2]

فَاَقِمْ وَجْهَکَ لِلدِّیْنِ حَنِیْفًا فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِیْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَیْهَا لَا تَبْدِیْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ ؕ ذٰلِکَ الدِّیْنُ الْقَیِّمُ ۙ وَلٰکِنَّ اَکْثَرَ النَّاسِ لَا یَعْلَمُوْنَ۔[3]

الاصل التاسع: قرآن مجید میں کوئی ایسا امر مذکور نہیں ہے جو قانون فطرت کے خلاف ہو۔

وما المعجزات فقد ثبت من القرآن انہ الصلوۃ والسلام ما ادعی باحد من المعجزات و قال علیہ السلام انما انا بشر منکم یوحی الی انما الھکم الہ واحد و قال علیہ السلام فی موضع آخر انما بشیر نذیر ولھذا قال المحق الاجل الشاہ ولی اللہ فی المتفہیمات الالھیۃ ولم یذکر اللہ سبحانہ شیئا من المعجزات فی کتابہ ولم یشیر الیہ فقط۔ جہاں تک معجزات کا تعلق ہے تو قرآن سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے کسی معجزے دعوی نہیں کیا بلکہ یہ ضرور کہا ہے کہ میں تمہاری مثل ہوں اور میں بشیر و نذیر ہوں یہی وجہ ہے کہ شاہ ولی اللہ نے المفہیمات الالھیۃ میں لکھا ہے کہ اللہ تعالی نے معجزات کا ذکر اپنی کتاب میں نہیں کیا نا نہ ہی ان کی جانب کوئی اشارہ ملتا ہے۔آیات یا بینات کے الفاظ سے مراد معجزات نہیں بلکہ احکام الہیہ مراد ہیں۔

الاصل العاشر: قرآن مجید بتمامہ موجود ہے جس طرح یہ نازل ہوا۔اس میں ایک حرف بھی کم نہیں ہوا اور نہ ہی زیادہ ہوا ہے۔"وتتواتر علیہ حیل بعد حیل فی قرن بعد قرب الی زماننا"

الاصل الحادی عشر: قرآن کی تمام سورتوں کی ترتیب میری نزدیک منصوص ہے۔اذا نزلت الایات اشار رسول اللہ ﷺ انھا من سورۃ کذا بعد أیتہ کذا و حفظھا الحافظ فی عھد رسول اللہ ﷺ علی ھذا الترتیب ولم یزل الصحابۃ و التابعون و من بعدھم یقرؤن القرآن علی ھذا۔

الاصل الثانی عشر: قرآن مجید میں کوئی آیت ناسخ یا منسوخ نہیں ہے۔یعنی قرآن میں کوئی ایک آیت بھی ایسی نہیں جو کسی آیت سے منسوخ ہوئی ہو۔

الاصل الثالث عشر: قرآن مجید دفعتاً نازل نہیں ہوا بلکہ نجماً نجماً نازل ہوا ہے۔ جیسا کہ قرآن میں ہے۔ونزلناہ تنزیلا۔وقتاً فوقتاً واقعات کے پیش آنے سے روح القدس یعنی ملکہ نبوت کو انبعاث ہوا اور اس سبب سے وحی نازل ہوئی پس وہ مختلف اوقات کے کلام کا مجموعہ ہے جو خدا نے وقتاً فوقتاً بمقتضائے اس وقت جے نازل کیا ہے۔

الاصل الرابع عشر: موجودات عالم اور مصنوعات کائنات کی نسبت جو کچھ قرآن کریم میں کہا گیا ہے وہ سب مطابق واقع ہے یہ نہیں ہو سکتا کہ اس قول اس کی مصنوعات کے خلاف ہو یا مصنوعات اس کے قول کے خلاف ہو۔

الاصل الخامس عشر: باوجود اس بات کے تسلیم کرنے کہ قرآن مجید عربی زبان میں نازل ہوا ہے اس لئے اس کے الفاظ کے وہی معنی مراد لئے جائیں گے جو ایک فصیح عربی بولنے والا لیتا ہے۔اور جس طرح انسان استعارہ، تشبیہ، تمثیل، مجاز وغیرہ استعمال میں لاتا ہے اسی طرح قرآن مجید میں بھی یہ چیزیں موجود ہیں۔اس کے علاوہ ہم کو ان اصول اور اُن قولی و عملی وعدوں پر بھی غور کرنا ہوتا ہے جو خدا نے کئے ہیں اور اس طرزِ کلام اور طریق استعمال الفاظ کو دیکھنا لازم ہے۔[4]

سرسید کے اصول تفسیر کا خلاصہ

یہ بات مسلم ہے کہ ایک خدا خالق کائنات موجود ہے۔یہ بھی مسلم ہے کہ ذاتِ باری تعالی نے انسانوں کی ہدایت کے لئے انبیاء مبعوث فرمائے ہیں اور محمد ﷺ رسولِ برحق وخاتم المرسلین ہیں۔یہ بھی مسلم ہے کہ قرآن مجید کلام الہی ہے۔نزل علی قلبِ محمد ﷺ اویوحی الیہ وانہ علیہ الصلوۃ والسلام۔ماینطق عن الھوی ان ھوالا وحی یوحی۔قرآن مجید کے نزول کے حوالے سے عام علماء اسلام کا مذہب یہ کہ قرآن مجید جبرئیل کے ذریعے سیدنا محمد ﷺ پر نازل ہوا جبکہ میرا خاص مذہب اس حوالے سے یہ ہے کہ ملکہ نبوت (جسے روح الامین سے تعبیر کیا گیا ہے) نے نبی کریم ﷺ کے قلب مبارکہ پر (الفاظ و معانی دونوں کے ساتھ) القاء کیا ہے۔ناکہ نازل ہوا۔قرآن مجید بالکل سچ ہے اور اس میں کوئی بات واقع مندرج نہیں ہے۔جیسا کہ قرآن میں ہے۔

لَّا يَأْتِيهِ الْبَاطِلُ مِن بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهِ تَنزِيلٌ مِّنْ حَكِيمٍ حَمِيدٍ[5]

اللہ تعالی کی صفات جو قرآن میں وارد ہوئیں ہیں وہ سچ ہیں اور صحیح ہیں مگر ان صفات کی ماہیت من حیث ھی ھی جاننا مافوق العقل انسانی ہے۔لہذا ان صفات کی جو کیفیت اور حیثیت ہمارے ذہنوں میں بنتی ہے بعینہ اسی طرح ذاتِ باری تعالی پر جو واجب الوجود ہے منسوب (اطلاق) نہیں کر سکتے۔صفات باری تعالی عینِ ذات ہیں ناکہ غیر عینِ ذات اور تمام صفات ازلی وابدی ہیں۔جس طرح قرآن مجید میں اللہ تعالی کے قولی وعدوں کا ذکر ہے اسی طرح اللہ تعالی کا ایک عملی وعدہ بھی ہے اور وہ ہے قانون فطرت (naturalism)۔یعنی اس کا فرمان قولی وعدہ ہے اور قانونِ فطرت، اللہ تعالی کا عملی وعدہ ہے۔اور ان دونوں قولی اور عملی وعدوں میں تخلف محال ہے۔یعنی یہ ممکن نہیں کہ اللہ تعالی اپنے وعدے پورے نہ کرے اور یہ بھی ممکنات میں سے نہیں کہ کوئی کام قانونِ فطرت (naturalism) کے خلاف (یعنی مافوق الفطرت یا مافوق العقلِ انسانی) واقع ہو۔قرآن مجید میں کوئی

ایسا امر مذکور نہیں ہے جو قانون فطرت کے خلاف ہو۔ جہاں تک معجزات کا تعلق ہے تو قرآن سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے کسی معجزے کا دعوی نہیں کیا بلکہ یہ ضرور کہا ہے کہ میں تمہاری مثل ہوں اور میں بشیر ونذیر ہوں یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالی نے معجزات کا ذکر اپنی کتاب میں نہیں کیا نہ ہی ان کی جانب کوئی اشارہ ملتا ہے۔ آیات یا بینات کے الفاظ سے مراد معجزات نہیں بلکہ احکام الہیہ مراد ہیں۔ قرآن مجید بتمامہ موجود ہے جس طرح یہ نازل ہوا۔ اس میں ایک حرف بھی کم نہیں ہوا اور نہ ہی زیادہ ہوا ہے۔ قرآن کی تمام سورتوں کی ترتیب میری نزدیک منصوص ہے۔ قرآن مجید میں کوئی آیت ناسخ یا منسوخ نہیں ہے۔ یعنی قرآن میں کوئی ایک آیت بھی ایسی نہیں جو کسی آیت سے منسوخ ہوئی ہو۔ قرآن مجید دفعتاً نازل نہیں ہوا بلکہ نجماً نجماً نازل ہوا ہے۔ جیسا کہ قرآن میں ہے۔ ونزلنٰہ تنزیلا۔ وقتاً فوقتاً واقعات کے پیش آنے سے روح القدس یعنی ملکہ نبوت کو انبعاث ہوا اور اس سبب سے وحی نازل ہوئی پس وہ مختلف اوقات کے کلام کا مجموعہ ہے جو خدا نے وقتاً فوقتاً بمقتضائے اس وقت جے نازل کیا ہے۔ موجودات عالم اور مصنوعات کائنات کی نسبت جو کچھ قرآن کریم میں کہا گیا ہے وہ سب مطابق واقع ہے۔ یہ نہیں ہو سکتا کہ اس قول اس کی مصنوعات کے خلاف ہو یا مصنوعات اس کے قول کے خلاف ہو۔ باوجود اس بات کے تسلیم کرنے کہ قرآن مجید عربی زبان میں نازل ہوا ہے اس لئے اس کے الفاظ کے وہی معنی مراد لئے جائیں گے جو ایک فصیح عربی بولنے والا لیتا ہے۔ اور جس طرح انسان استعارہ، تشبیہ، تمثیل، مجاز وغیرہ استعمال میں لاتا ہے اسی طرح قرآن مجید میں بھی یہ چیزیں موجود ہیں۔ اس کے علاوہ ہم کو ان اصول اور اُن قولی و عملی وعدوں پر بھی غور کرنا ہوتا ہے جو خدا نے کئے ہیں اور اس طرزِ کلام اور طریق استعمال الفاظ کو دیکھنا لازم ہے۔

سرسید کے اصولِ تفسیر کا تجزیہ

جمہور مفسرین سے اختلاف:

سرسید کی اصولِ تفسیر کی بحث کا مطالعہ کرنے کے بعد یہ بات بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ سرسید، جمہور مفسرین کے طرز تفسیر سے اتفاق نہیں کرتے اور نہ ہی وہ ان سے مطمئن نظر آتے ہیں۔ بلکہ ان سے سخت اختلاف کا اظہار کرتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن کی تفسیر کے حوالے سے انہوں نے جمہور مفسرین کے منہج کو نظر انداز کرتے ہوئے ایک نیا طریقہ تفسیر منتخب کیا اور اس کے لئے کچھ قواعد اور اصول متعین کئے جن کو انہوں نے اصول تفسیر کا نام دیا۔ ان کے اس نئے انداز تفسیر میں کئی باتیں قابل غور ہیں۔ مثلاً عام طور پر مفسرین کا یہی طریق رہا ہے کہ پہلے وہ اپنے اصول متعین کر کے تحریر میں لاتے ہیں اور پھر انہی اصولِ تفسیر کی روشنی میں اپنی تفسیر لکھنا شروع کرتے ہیں مگر سرسید نے اس طریقہ کو اختیار نہیں کیا بلکہ انہوں نے تفسیر کی کئی جلدیں مکمل

کرنے کے بعد اصولِ تفسیر تحریر کئے۔ ۱۸۸۰ء میں جب ان کی تفسیر کی چند جلدیں منظر عام پر آئیں تو علمی حلقوں کی جانب سے سر سید کی تفسیر اور طریقہ تفسیر پر شدید تنقید ہوئی۔ اس تنقید کے جواب میں سر سید احمد خان نے ایک رسالہ ''تحریر فی اصولِ تفسیر'' کے نام سے تالیف کیا۔ جس میں انہوں نے اپنی طرف سے متعین کردہ اصولِ تفسیر بیان کئے۔ اس وقت وہ سورہ النحل تک تفسیر لکھ چکے تھے۔ اس بات کا ذکر تے ہوئے سر سید احمد خان لکھتے ہیں:

> ''میرا ارادہ تھا کہ جب میری تفسیر پوری ہو جاوے گی اور اول سے آخر تک قرآن بنظرِ غائر تمام ہو جاوے گا اس وقت میں دیباچہ تفسیر کا لکھوں گا اور اس میں وہ تمام اصول بیان کر دوں گا جو تفسیر لکھنے میں میں نے اختیار کئے ہیں۔ مگر چونکہ اس کو زمانہ دراز درکار تھا اس لئے میں نے خیال کیا کہ مقدم اصول کو جو میں نے تفسیر لکھنے میں اختیار کئے ہیں لکھ دوں اور باقی اصول اس وقت پر منحصر رکھوں جب عام ہو جاوے اور خدا کی مرضی ان کے لکھنے پر ہو''[6]

نئے اصولِ تفسیر وضع کرنے کی وجوہات:

سر سید احمد خان کے اصولِ تفسیر کو پڑھ کر بخوبی اندازہ ہوتا ہے کہ وہ قرآن کریم کا پیغام ایک نئے اور جدید انداز میں پیش کرنے کے جزبے سے سرشار تھے اور وہ علمی حلقوں میں پائے جانے والے اُس جمود کو توڑنا چاہتے تھے جو ان کی نظر میں اس وقت ہندوستان کے مسلمانوں پر طاری تھا۔ اس کے لئے انہوں نے کئی اقدامات اٹھائے ان میں سے ایک اہم قدم جو انہوں نے اٹھایا وہ قرآن کریم کی تفسیر کرنا تھا۔ اس مقصد کیلئے انہوں نے سابقہ مفسرین کے طریقہ کو ترک کرتے ہوئے نئے اور جدید انداز میں قرآن کریم کی تفسیر لکھنے کا فیصلہ کیا۔ اس کے لئے انہوں نے از سرے نو اصول تفسیر وضع کئے۔ اور پھر اپنے وضع کردہ انہی اصولِ تفسیر کی روشنی میں قرآن کریم کی تفسیر لکھی۔ سر سید کے بقول انہوں نے سابقہ تفسیروں اور خاص طور علمائے اسلام کے وضع کردہ اصولِ تفسیر کا مطالعہ کیا مگر سر سید کو علماء کی اصولِ تفسیر کی کتب میں چند علوم کا تذکرہ تو ضرور ملا مگر جن مشکلات کا حل وہ چاہتے تھے وہ انہیں کتب اصولِ تفسیر میں نہ مل سکا لہذا انہوں نے اپنی طرف سے نئے اصولِ تفسیر وضع کرنے کا فیصلہ کیا۔

سر سید لکھتے ہیں:

> ''پھر میں نے بقدر اپنی طاقت کے خود قرآن مجید پر غور کی اور چاہا کہ قرآن ہی سے سمجھنا چاہئے کہ اس کا نظم کن اصولوں پر واقع ہے۔ اور جہاں تک میری طاقت میں تھا میں نے سمجھا اور میں نے پایا کہ جو اصول خود قرآن مجید سے نکلتے ہیں ان کے مطابق کوئی مخالفت علومِ جدیدہ میں نہ اسلام سے ہے اور نہ قرآن سے

۔(اصول وضع کئے) پھر میں نے انہیں اصول پر ایک تفسیرِ قرآن مجید کی لکھنی شروع کی جو اس وقت سورۃ النحل تک ہو چکی ہے"[7]

جن اصول وضوابط کو بنیاد بنا کر سر سید احمد خان نے قرآن کریم کی تفسیر لکھی اور ان اصول وضوابط کو اصولِ تفسیر کا نام دیا۔ یہ اصولِ تفسیر سر سید نے دیگر مفسرین کے مسلمہ اصولِ تفسیر سے ہٹ کر اپنے مخصوص نظریات کی روشنی میں متعین کئے۔ لہذا انہی اصولوں کو ملحوظ رکھتے ہوئے انہوں نے قرآن کریم کی تفسیر کی اور نتیجتًا قرآن کریم کے کئی مقامات پر مسلمہ اور متواترہ تعبیرات سے اختلاف کرتے نظر آتے ہیں اور ان تعبیرات کی جگہ انہوں نے اپنی طرف سے نئی تعبیرات پیش کیں۔ یہی وجہ ہے کہ سر سید احمد خان کی تفسیر اور اصولِ تفسیر، علمی ودینی حلقوں میں ہمیشہ زیر بحث رہے ہیں۔ اور اہل علم کی طرف سے ان کی تفسیر اور اصولِ تفسیر پر کئی بنیادی سوالات اٹھائے گئے ہیں۔ سر سید احمد خان کے اصولِ تفسیر کے مطالعہ کے بعد ایک اہم بات جو بالکل واضح ہو جاتی ہے وہ یہ کہ دراصل سر سید احمد خان نے اپنے نظریات کو سامنے رکھ کر اصولِ تفسیر متعیّن کئے ہیں لہذا سر سید احمد خان قرآن کریم کی ایسی تفسیر کرنا چاہتے ہیں جس سے ان کو اپنے نظریات کو تائید حاصل ہو سکے۔ مثلاًان کے ہاں دو اہم ترین اصول ہیں۔ ا۔ "ورک آف گاڈ" اور "ورڈ آف گاڈ" ہے۔ ۲۔ قرآن میں کوئی بات مافوق انسانی عقل نہیں ہے۔ "ورک آف گاڈ" (قوانینِ فطرت) اور "ورڈ آف گاڈ" (قرآنی آیات واحکام) اس کے متعلق سر سید کا نظریہ ہے کہ ان دونوں کا باہم متفق ہونا ضروری ہے۔ اس کی وضاحت کرتے ہوئے سر سید احمد خان اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں:

> "دوسرا اصول یہ کہ ہمارے سامنے دو چیزیں موجود ہیں (۱) ورک آف گاڈ یعنی خدا کے کام (۲) ورڈ آف گاڈ یعنی خدا کا کلام یعنی قرآن مجید اور ورک آف گاڈ اور ورڈ آف گاڈ کبھی مختلف نہیں ہو سکتا اگر مختلف ہو تو ورک آف گاڈ تو موجود ہے۔ جس کا انکار نہیں ہو سکتا۔ اور اس لئے ورڈ آف گاڈ جس کو کہا جاتا ہے اس کا جھوٹا ہونا لازم آتا ہے۔ نعوذ باللہ منہا اس لئے ضروری ہے کہ دونوں متحد ہوں"[8]

ورک آف گاڈ اور ورڈ آف گاڈ:

سر سید کے مخصوص نظریات کی روشنی میں متعین کردہ اصولِ تفسیر میں ایک بنیادی اور اہم اصول یہ ہے کہ دو حقیقتوں یعنی ورک آف گاڈ اور ورڈ آف گاڈ کا باہم متفق ہونا ہے۔ ان کے نظریے کے مطابق ورک آف گاڈ اور ورڈ آف گاڈ کبھی مختلف نہیں ہو سکتے۔ اور اگر مختلف ہو تو ورک آف گاڈ تو موجود ہے جس سے انکار نہیں ہو سکتا۔ وہ اس لئے کہ اگر ایسا ہو تو ورڈ آف گاڈ کا جھوٹا ہونا لازم آئے گا۔ اس لئے ضروری ہے کہ یہ دونوں متحد ہوں۔ سر سید کا خیال ہے کہ جو میرے اس نظریہ سے یہ نتیجہ اخذ

کرے کہ اس سے خدا کی قدرتِ کاملہ میں کوئی نقص آتا ہے تو میرے خیال میں یہ محض غلط اور وہم اور نا سمجھی ہے۔ سر سید احمد خان کہتے ہیں کہ چونکہ انسان کا مقصد حیات خدا کی عبادت ہے۔ لہذا اس بات کا تقاضا ہے کہ کوئی بھی چیز انسانی عقل سے ماوراء نہ ہو۔ یہ کائنات قانون فطرت کے مطابق بنائی گئی ہے۔ پہلا قولی وعدہ ہے اور قانون فطرت عملی وعدہ ہے۔ اس قانون فطرت میں بہت کچھ خدا نے ہم کو بتایا ہے اور بہت کچھ انسان نے دریافت کیا ہے، گو کہ انسان کو ابھی بہت کچھ دریافت نہ ہوا ہو اور کیا عجب ہے کہ بہت کچھ دریافت نہ ہو، مگر جس قدر دریافت ہوا ہے وہ بلاشبہ خدا کا عملی وعدہ ہے، جس سے تخلف قولی وعدہ کی تخلف کے مساوی ہے جو کبھی نہیں ہو سکتا۔

کوئی بات مافوق عقل انسانی نہیں:

سر سید کے مخصوص نظریات کی روشنی میں متعین کردہ اصولِ تفسیر میں ایک بنیادی اور اہم اصول یہ ہے کہ قرآن مجید میں کوئی بات مافوق عقل انسانی نہیں۔ اس حوالے سے سر سید احمد خان لکھتے ہیں:

> ”خواہ یہ تسلیم کرو کہ انسان مذہب یعنی خدا کی عبادت کے لئے پیدا ہوا ہے خواہ یہ کہو کہ مذہب انسان کے لئے بنایا گیا ہے۔ دونوں حالتوں میں ضروری ہے کہ انسان میں یہ نسبت دیگر حیوانات کے ایسی چیز ہو۔ کہ وہ اس بار کے اُٹھانے کا مکلف ہو۔ اور انسان میں وہ شے کیا؟ عقل ہے۔ اس لئے ضروری ہے کہ جو مذہب اس کو دیا جاوے وہ عقل انسانی کے، مافوق نہ ہو۔ اور اگر وہ (مذہب) عقلِ انسانی کے مافوق ہے تو انسان اُس کا مکلف نہیں ہو سکتا۔ بلکہ اُس کی مثال ایسی ہو گی جیسے کہ بیل، گدھے کو امر و نہی کا مکلف قرار دیا جاوے یا جو نپور کا قاضی بنا دیا جاوے“[9]

گویا سر سید یہ کہنا چاہتے ہیں کہ انسان کا مکلف ہونے کے حوالے سے انصاف کا تقاضا یہ ہے کہ انسان کو جس مذہب کا مکلف ٹھہرایا گیا ہے اس مذہب کی ہر ہر بات انسان کے عقل و شعور اور فہم کے عین مطابق ہو۔ انسان کا مقصدِ حیات عبادتِ خداوندی ہے۔ لہذا انسان کو مذہب بھی ایسا دیا جائے جو اس کی عقل و فہم کے مطابق ہو چاہے کوئی یہ تسلیم کرے کہ انسان مذہب کیلئے پیدا کیا گیا ہے یا یہ کہے کہ مذہب انسان کیلئے بنایا گیا ہے۔ دونوں صورتوں میں انسان کے پاس کوئی ایسی چیز ہونی چاہے جو جس بنا پر وہ اس بار کو اٹھانے کا مکلف ہو۔ اور وہ چیز عقل ہے۔ پس اس لئے ضروری ہے کہ جو مذہب بھی انسان کو دیا جائے وہ عقلِ انسانی کے مافوق نہ ہو اور اگر وہ عقل انسانی کے مافوق ہو ہے تو انسان اسکا مکلف نہیں ہو سکتا۔ بلکہ اس کی مثال تو ایسی ہو گی جیسے کہ بیل۔ گدھے کو امر و نہی کا مکلف قرار دیا جائے یا جو نپور کا قاضی بنا دیا جائے۔ لہذا کوئی جاہل انسان تو ایسی بات کو جو عقل

انسانی کے مافوق ہو مان سکتا ہے مگر جسے اللہ تعالی نے عقل انسانی یا اس کا کوئی حصہ بھی عطا کیا ہے وہ ایسی بات پر کبھی یقین کر ہی نہیں سکتا جو مافوق عقلِ انسانی ہو۔ سر سید احمد خان اسی اصول کی بنا پر قرآن و حدیث کی ہر اس بات کا انکار کیا ہے جو مافوق عقلِ انسانی ہے۔ اُنہوں نے اپنی تفسیر میں ایسے تمام مقامات پر نئ تعبیرات پیش کی ہیں، جو دیگر مفسرین کی مسلمہ و متواترہ تعبیرات سے بالکل مختلف ہیں۔

الفاظ قرآنی کے معنی کی تعیین:

سر سید کے وضع کردہ اصولِ تفسیر میں الفاظ قرآنی کے معنی کی تعین کے حوالے سے بھی سر سید احمد خان نے کا نقطہ نظر نہ صرف مختلف ہے بلکہ انتہائی عجیب نظر آتا ہے۔ بظاہر تو سر سید احمد خان تفسیر القرآن بالقرآن کے قائل ہیں اور الفاظِ قرآنی کی پابندی کا بھی دعوی کرتے نظر آتے ہیں مگر اکثر جگہ انہوں نے اس اپنی اس بات کا پاس نہیں رکھا۔

مثلاً ایک جگہ لکھتے ہیں:

> ''ہم کو ضروری ہے کہ صرف الفاظِ قرآن مجید کے پابند رہیں نہ ان قصوں کے جو یہود و نصاریٰ میں مذکور و مشہور ہیں''[10]

مگر عملاً دیکھا جائے تو معنی کی تعیین کے حوالے سے بھی انہوں نے نہ صرف یہ کہ مسلمہ اور بنیادی اصولوں سے انحراف کیا ہے بلکہ کئی مقامات پر الفاظ قرآنی کے ایسے معنی مراد لئے ہیں کہ الفاظِ قرآنی ان معنی کے متحمل ہی نہیں تھے۔ سر سید احمد خان قرآن کریم کی تفسیر کرتے ہوئے ہر جگہ اپنے نظریات واعتقادات کو مد نظر رکھا ہے۔ اس حوالے سب سے اہم بات جو ان کی تفسیر میں نظر آتی ہے وہ یہ کہ جن مقامات پر پہلے سے متعین معنی مراد لینے سے ان کے اعتقادات پر زد پڑتی ہے وہاں سر سید الفاظ قرآنیہ کی مطلقاً پابندی نہیں کرتے۔ مسلمہ معنی کو سلب کرتے جاتے ہیں اور ان کی جگہ عقل کی پیروی کرتے ہوئے نئے معنی معین کرتے ہیں جن بنیاد پر انہوں نے نئ تعبیرات پیش کیں۔ سر سید لکھتے ہیں:

> ''الفاظ کے وہی معنی لیتے ہیں جو عرب جاہلیت سمجھتے تھے۔ کلام جاہلیت ہی کی بنا پر صرف و نحو و لغت کی کتابیں بنی ہیں جن سے ہم قرآن مجید کے معنی بیان کرنے میں استمداد لیتے ہیں۔ موجودہ علم وادب عربی زبان کا بدو بین اور اہل عرب کے کلام کی بنا پر مبنی ہے مگر بحث اس پر آجاتی ہے جب کہ بلحاظ علوم وفنون کے قرآن مجید پر توجہ کی جاتی ہے اور جس سے اہل عرب بالکل ناواقف اور عاری محض تھے۔ اس حالت میں بھی ہم کوئی نئ بات پیش نہیں کرتے بلکہ خود موافق زبان اہل عرب کے قرآن مجید کے الفاظ کے ان معنوں پر متوجہ

کرتے ہیں جو علوم کی ترقی کے سبب ہم کو صحیح و درست معلوم ہوتے ہیں" [11]

عربی لغت تمام ماخذ پر حاکم کا درجہ دینا:

اس میں کوئی شک نہیں کہ قرآن کی تفسیر کا ایک اہم اور بنیادی ذریعہ عربی لغت ہے مگر عربی لغت کو قرآن کی تفسیر میں تمام ذرائع (ماخذ) پر حاکم کا درجہ دے دینا قطعاً درست نہیں۔ سلف صالحین نے تفسیر القرآن میں عربی لغت سے استمداد ضرور کیا ہے لیکن اپنے نظریات کی تائید میں صرف لغت کے سہارے قرآنی الفاظ کو اپنے نظریات پر منطبق نہیں کیا۔ انہوں نے لغت سے تفسیر کرتے وقت اس بات کو ملحوظ رکھا ہے اور اس بات کی پابندی کی کہ لغت کو قرآن، حدیث، فرامین صحابہ کے خلاف پیش نہ کیا جائے۔ بلکہ بنیادی ماخذ سے متعین ہونے والے معنی کو حتمی قرار دیا۔

علماء کی آراء:

سر سید کے وضع کردہ اصول تفسیر پر اہل علم کی طرف سے کئی بنیادی سوالات اٹھائے گئے ہیں جن میں سے چند کا ذکر کیا جاتا ہے۔ مثلاً سر سید کے وضع کردہ ان اصولِ تفسیر پر بحث کرتے ہوئے ڈاکٹر معید الرحمن لکھتے ہیں۔ "ایک ہی متن سے مختلف معنی کیسے متبادر ہو سکتے ہیں۔ معنی کے تعین میں منشائے مصنف کی اہمیت ہوتی ہے یا نہیں۔ معنی کے تعین میں کیا دشواریاں پیش آتی ہیں۔ درست معنی تک رسائی کیسے ممکن ہے۔ معنی کے تعین میں سیاق و سباق یا شان نزول کس قدر موثر ہوتا ہے۔ تعین معنی کے عمل میں زبان کی مجازی اور تمثیلی خصوصیت کس طرح حارج ہوتی ہے۔ معنی کے عدم تعین کی کیفیت درست ہے یا نادرست۔ کیا اخذ معنی پر تشکیل معنی کے مختلف اصولوں کے استعمال سے مختلف معنی وجود میں آسکتے ہیں۔ تعین معنی کے عمل میں زمان و مکان کا تناظر کس قدر دخل انداز ہوتا ہے۔ یہ سوالات مزید پیچیدگی اختیار کر لیتے ہیں جب کہ یہ کسی مذہبی متن کے مطالعہ سے وابستہ ہوں۔ قرآنی نصوص سے وہی معنی مراد لیے جائیں جو منشاء الٰہی ہے۔ اس تصور کی روشنی میں سر سید کا مطالعہ اخذ معنی کے اصول سے متعلق متعدد مباحث کو فروغ دیتا ہے۔" [12]

سر سید احمد خان کے اصولِ تفسیر برصغیر کی فکری تاریخ میں ایک منفرد موڑ کی حیثیت رکھتے ہیں، لیکن ان پر اہلِ علم نے کئی بنیادی سوالات بھی قائم کیے۔ سب سے اہم سوال یہ ہے کہ کسی دینی متن سے مختلف اور متضاد معانی کیسے اخذ کیے جا سکتے ہیں اور ان میں سے اصل منشائے الٰہی کی پہچان کس طرح ممکن ہے۔ اسی طرح یہ بحث بھی اہم ہے کہ کیا مصنف یا شارع کے منشا کو نظر انداز کر کے صرف زبان اور اس کے داخلی ڈھانچے پر تکیہ کیا جا سکتا ہے؟ مزید یہ کہ سیاق و سباق، شانِ نزول اور تاریخی پس منظر کو کس حد تک مؤثر سمجھا جائے؟ زبان کے مجازی اور تمثیلی پہلو بعض اوقات معنی تک رسائی کو مزید مشکل بناتے ہیں، جس کے نتیجے میں

تشکیلِ معنی کے کئی مختلف امکانات سامنے آجاتے ہیں۔ان سوالات کی پیچیدگی اس وقت بڑھ جاتی ہے جب موضوع مذہبی متن ہو، کیونکہ وہاں صرف لسانی یا ادبی اصول کافی نہیں ہوتے بلکہ "منشائے الٰہی" کو مرکز بنانا پڑتا ہے۔انہی بحثوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ سرسید کا منہج، اگرچہ فکری اعتبار سے نئی جہتیں فراہم کرتا ہے، لیکن ساتھ ہی معانی کے تعین میں متعدد اشکالات کو بھی جنم دیتا ہے۔

متکلم قرآن کی مراد کا لحاظ رکھنا:

بلاشبہ سرسید احمد خان کا شمار بھی ان مفسیرین میں ہوتا ہے کہ جنہوں نے الفاظ قرآنی کے معنی متعین کرتے وقت متکلم قرآن کی مراد کا لحاظ بھی نہیں رکھا۔ایسے ہی مفسرین کے بارے میں امام ابن تیمیہ لکھتے ہیں: ''قرآنی الفاظ کے معنی و مراد کو سلب کر کے ایسے معنی لگاتے ہیں جن پر لفظ کی نہ دلالت ہوتی ہے اور نہ وہ مراد ہی ہو سکتے ہیں اور کبھی قرآنہ الفاظ کے ایسے معنی لیتے ہیں جن کے وہ متحمل نہیں ہوتے۔

> اگر ان کا لگایا ہوا حکم نفی کی صورت میں ہو یا اثبات کی باطل ہے، تو دلیل و مدلول دونوں غلط ہو جاتے ہیں اور حکم صحیح ہے تو بھی مدلول میں نہ سہی دلیل میں غلطی پر رہتے ہیں'' [13]

ایک اور مقام پر ایسے مفسرین کے انداز گفتگو کے بارے میں لکھتے ہیں: ''ان میں ایسے بھی ہیں جو حسین عبارت لکھتے ہیں، فصاحت کے مالک ہیں اور اپنی تحریروں میں بدعتیں اس طرح چھپا دیتے ہیں کہ اکثر لوگوں کو خبر بھی نہیں ہوتی۔'' [14]

محسن الملک نے سرسید احمد خان کو اصلاح کی غرض سے کئی ایک خطوط لکھے جو تاریخ کا حصہ ہیں۔ایک خط میں محسن الملک لکھتے ہیں:

> '' اب تک آپ کی رایوں سے اتفاق نہیں کرتا اور ہر بحث میں اسے قرآن کی وہ تفسیر جس کو کوئی قرآن کے مطالب کی تشریح اور تفصیل اور تفسیر نہیں سمجھتا، بلکہ اکثر جگہ تفسیر کو تفسیر القول بمالا یرضی بہ قائلہ تصور کرتا ہوں۔'' [15]

بجائے اس کے کہ سرسید اپنی اصلاح کرتے لیکن انہوں نے ایسا نہیں کیا بلکہ تنقید برائے تنقید کا انداز اپناتے ہوئے جواباً سرسید لکھتے ہیں :

> ''آپ نے اس خط میں لکھا ہے کہ اکثر جگہ تفسیر کو تفسیر القول بمالا یرضی بہ قائلہ (کسی قول کی ایسی تفسیر کرنا

جواس کے قائل کا مقصد نہ ہو) تصور کرتا ہوں۔ یقینی آپ کے پاس خدا کی بھیجی ہوئی وحی تو آئی نہیں جس سے آپ کو ثابت ہوا ہو کہ اس قول سے مرضی قائل یعنی خدا کی یہ نہیں ہے۔ بس ضرور ہے کہ کوئی اور ذریعہ آپ کے پاس ہے، جس کی وجہ سے آپ نے تفسیر کے مقالات کو مالا یرضی بہ قائلہ قرار دیا ہے۔'' 16(۱۳)

سر سید مزید لکھتے ہیں:

''میں نے بہت سوچا کہ وہ ذریعہ آپ کے پاس کیا ہے اور وہ ذریعے دو معلوم ہوئے اوّل بچپن کی تربیت۔ بچپن سے باتوں کو سنتے سنتے ان کا نقش کالحجر دل میں ہو جاتا ہے، جس کا مٹانا بہت ہی زبردست دل اور نہایت ہی قوت ایمانیہ کا اور بہت ہی غور و فکر کا کام ہے۔ دوسرا ذریعہ جو پہلے ذریعہ کا شعبہ ہے، مگر اس پہلے کو نہایت قوی اور مضبوط کرنے والا ہے، وہ علماء کے اقوال اور تفاسیر کے مندرجہ رطب و یابس روایتیں اور قصے ہیں۔'' 17

محسن الملک نے سر سید کو ایک خط میں لکھتے ہیں ''نہ سیاق کلام نہ الفاظ قرآنی نہ محاورات عرب سے اس کی تائید ہوتی ہے۔ اگر آپ میرے اس شبہ کو کسی طرح دور کر سکیں تو مجھے ایسے خوشی ہو کہ کسی اور چیز سے نہ ہو۔'' 18

سر سید احمد خان نے اس اشکال کا جواب دیتے ہوئے لکھا:

''اگر آپ میری تفسیر کے کسی مقام کو خلاف سیاق کلام (اگرچہ مجھ کو نہایت شبہ ہے کہ تم اس بات کو سمجھے بھی ہو کہ قرآن مجید کا سیاق کلام کیا ہے اور کس طور پر ہے) اور خلاف الفاظ قرآن اور خلاف محاورہ عرب جاہلیت ثابت کر دو تو میں اسی وقت اپنی غلطی کا مقر ہو جاؤں گا مگر مجاز و حقیقت میں یا استعارہ و کنایہ یا خطابیات میں بحث مت کرنا، کیوں کہ جیسا تم کو کسی لفظ کے حقیقی یا لغوی معنی لینے کا حق ہے ویسا ہی مجھ کو اس کے مجازی معنی لینے یا استعارہ یا کنایہ یا از قسم خطابیات قرار دینے کا حق ہے۔'' 19

سر سید اور محسن الملک کے درمیان ہونے والے مکالمے سے کئی اہم پہلو سامنے آتے ہیں۔ سر سید کے نزدیک قرآنی متن ہی معنی کی تشکیل کا بنیادی ماخذ ہے، اور وہ اس بات پر زور دیتے ہیں کہ منشائے الٰہی کو سمجھنے کے لیے قرآن کریم ہی کو اولین اور حتمی معیار مانا جائے۔ ان کے نزدیک قرآنی پیغام اور الٰہی احکام کی وضاحت کے لیے نص قرآنی کے علاوہ دوسری روایتیں اور قصے کہانیاں قابل اعتماد نہیں ہیں۔ جب ان کی تفسیر پر یہ اعتراض کیا جاتا ہے کہ وہ سیاق کے خلاف

ہے تو سرسید اس تاثر کی نفی کرتے ہوئے یہ واضح کرنا چاہتے ہیں کہ زبان کا اپنا ایک داخلی سیاق ہوتا ہے، جو الفاظ کی ساخت، جملوں کے ربط، لہجے اور رموز واوقاف کے ذریعے خود بخود سامنے آجاتا ہے۔اس تناظر میں سرسید کی یہ بات خاص اہمیت رکھتی ہے کہ

''تم کو کسی لفظ کے حقیقی یا لغوی معنی لینے کا حق ہے ویسا ہی مجھ کو اس کے مجازی معنی لینے یا استعارہ یا کنایہ یا از قسم خطابیات قرار دینے کا حق ہے تو یہ جملہ بحث کا متقاضی ہے۔'' [20]

معنی کی تفہیم میں سرسید کے نزدیک زبان ہی بنیادی اور فیصلہ کن عنصر ہے، جبکہ دیگر عوامل مثلاً مصنف کی نیت یا اس کا تاریخی و سماجی پس منظر محض اندازوں اور قیاسات پر مبنی ہوتے ہیں۔اسی تصور کے تحت جب وہ مافوق الفطرت معجزات کے قرآن میں نہ پائے جانے پر استدلال کرتے ہیں تو اس کی بنیاد بھی زبان ہی کو بناتے ہیں۔ان کے نزدیک الفاظ اپنی ساخت اور ترکیب کے ذریعے وہ مفہوم خود ظاہر کرتے ہیں جسے سمجھنے کے لیے کسی ماورائی توضیح کی ضرورت نہیں۔اسی بنا پر وہ اپنی تفسیر میں یہ مؤقف پیش کرتے ہیں کہ :

''جو آیت قرآن مجید کی آپ پیش کرتے ہیں اور اس سے معجزات مافوق الفطرت پر استدلال فرماتے ہیں، آیا اس کے کوئی دوسرے معنی بھی ایسے ہیں جو موافق زبان و کلام عرب کے اور موافق محاورات اور استعمالات اور استعارات قرآن مجید کے ہو سکتے ہیں۔اگر نہ ہو سکتے ہوں تو ہم قبول کریں گے کہ ہمارا یہ اصول غلط ہے اور اگر ہو سکتے ہیں تو ہم نہایت ادب سے عرض کریں گے کہ آپ اس بات کو ثابت نہیں کر سکے کہ قرآن مجید میں معجزات مافوق الفطرت موجود ہیں۔اگر وہ اپنے دعوے کے ثبوت میں مفسرین کے اقوال پیش کریں یا یہ کہیں کہ تیرہ سو برس سے کسی نے صحابہ اور تابعین اور تبع تابعین یا علمائے مجتہدین و مفسرین نے یہ معنی نہیں کہے بلکہ خدا بھی یہ معنی نہیں سمجھا جو تم کہتے ہو تو ہم ادب سے عرض کریں گے کہ اس دلیل سے ہم کو معاف رکھیے۔'' [21]

سرسید احمد خان کے اصولِ تفسیر نے برصغیر میں ایک نئے فکری دبستان کی بنیاد رکھی۔تاہم ان کے طریقِ کار پر شدید علمی تنقید بھی کی گئی۔ناقدین کے نزدیک سرسید نے قرآن کے الفاظ کی تشریح کرتے وقت متکلمِ قرآن یعنی منشائے الٰہی کو ہمیشہ پیشِ نظر نہیں رکھا بلکہ زبان اور اس کے داخلی نظام کو ہی اصل بنیاد قرار دیا۔یہی وجہ ہے کہ بعض اوقات ان کی تفسیر روایتی فہمِ قرآن سے

متصادم دکھائی دیتی ہے۔امام ابن تیمیہ نے ایسے ہی مفسرین پر تنقید کرتے ہوئے کہا کہ وہ الفاظِ قرآنی کو ان کے اصل مفہوم سے ہٹا کر ایسے معانی پر محمول کرتے ہیں جن کی نہ تو لغت اور نہ ہی سیاق سے تائید ملتی ہے۔

سر سید کے دور میں محسن الملک نے بارہا خطوط کے ذریعے ان کی تفسیر پر اعتراضات اٹھائے۔ان کا کہنا تھا کہ سر سید کی بعض توضیحات سیاقِ کلام اور محاوراتِ عرب سے مطابقت نہیں رکھتیں۔اس کے جواب میں سر سید نے یہ موقف اپنایا کہ جس طرح کسی کو الفاظ کے حقیقی معانی لینے کا حق ہے، اسی طرح انہیں مجازی یا استعاراتی معانی اختیار کرنے کا حق حاصل ہے۔ان کے نزدیک معنی کے تعین میں اصل ماخذ صرف زبان ہے، نہ کہ مفسرین کی روایات یا صدیوں پر محیط تفسیری ذخیرہ۔

یہی منہج انہیں اس نتیجے تک لے گیا کہ قرآن میں مافوق الفطرت معجزات کا ذکر موجود نہیں۔ان کے نزدیک تمام آیات کو محاورۂ عرب اور لسانی قواعد کی روشنی میں اس طرح سمجھا جا سکتا ہے کہ ماورائی تاویلات کی ضرورت باقی نہ رہے۔اس طرزِ فکر نے جہاں عقل و زبان کو محور بنایا، وہیں روایتی اسلامی روایت سے ایک بڑا فاصلہ بھی پیدا کر دیا۔

عقل کو نقل پر ترجیح کا اصول:

سر سید احمد خان اصول تفسیر بیان کرتے ہوئے بہت وضاحت کے ساتھ اپنا مؤقف بیان کرتے ہیں کہ قرآن مجید کو سمجھنے میں کہی پر عقل اور نقل میں اختلاف ہو رہا ہے تو عقل کو ترجیح دی جائے گی۔یعنی عقل کو نقل پر ترجیح حاصل ہو گی ان کے مطابق دنیا علت و معلول کے تحت چل رہی ہے لہذا ہمیں جہاں کہی اس قانون کی خلاف ورزی نظر آئے گی ہم اس میں تاویل کریں گے۔سر سید کا یہی وہ بنیادی اصول ہے جس کے تحت انہوں نے قرآن کی تفسیر کرتے ہوئے متعدد مقامات پر جنت ، جہنم، ملائکہ، معجزاتِ انبیاء سے متعلقہ جمہور مفسرین کی پیش کردہ مسلمہ اور متواترہ تعبیرات کو رد کیا ہے۔

خلاصہ کلام : سر سید احمد خان کے بیان کردہ ان اصول تفسیر کا مطالعہ کرنے کے بعد چند باتیں جو بالکل واضح ہو جاتی ہیں، پہلی یہ کہ بظاہر ایسا لگتا ہے کہ سر سید احمد خان نے قرآن کریم کی تفسیر کے لیے جو اصول قائم کیے تھے ان کا مقصد قرآن کو اپنے عہد کے لوگوں کے لیے بامعنی بنانا تھا۔ تشکیل معنی کے لیے روایتی طریقوں کے برعکس اصول اختیار کر کے جدید ذہنوں کا قرآن سے رابطہ استوار کرنا چاہتے تھے۔دوسری بات یہ کہ ان کے متعین کردہ اصول تفسیر کے مطالعہ سے یہ بھی واضح ہو جاتا ہے کہ دیگر تفسیروں اور سر سید کی تفسیر میں معنوی اختلافات کا بنیادی سبب یہی اصول تفسیر ہیں۔جو انہوں نے اپنے مخصوص

نظریات کی روشنی میں متعین کئے۔انہی اصول و قواعد کی روشنی میں انہوں نے قرآنی آیات کی تفسیر کی اور نتیجہ یہ ہوا کہ انہوں نے علماء اسلام کی طرف سے بیان کردہ مسلمہ اور متواترہ تعبیرات کو رد کر دیا اوران کی جگہ نئ تعبیرات پیش کیں۔مذکورہ بحث سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ سرسید کی تفسیر میں کمزوریوں کا بنیادی سبب یہی اصول ہیں۔یہی وجہ ہے کہ سرسید کی تفسیر علمی و دینی حلقوں میں ہمیشہ زیر بحث رہی ہے۔اور اہل علم کی طرف سے ان کی تفسیر پر کئی بنیادی سوالات اٹھائے گئے ہیں۔دنیا میں یہ اصول ہے کہ جب بھی کوئی اہم کام کیا جاتا ہے تو اس سے متعلق پہلے سے بنائے گئے قوانین اور اصولوں کی پیروی کی جاتی ہے۔ایسا اس لئے کیا جاتا ہے تاکہ اس کام کے بہترین نتائج حاصل کیئے جا سکیں۔اور اگر پہلے سے موجود اصول و قواعد کی پیروی سے مقصد پورا نہ ہو رہا ہو یا اختلاف ہو اور نئے قوانین بنانا ضروری ٹھہر جائے تو اس کے لئے ضروری ہے کہ نئے اصول اور قوانین پہلے سے موجود اصول و قوانین سے بہت بہتر ہونے چاہئے وگرنہ مثبت نتائج برآمد ہونا تو درکنار اس کے برعکس بھی ہو سکتا ہے۔سرسید کا معاملہ بھی کچھ اسی طرح کا ہوا ہے کیونکہ سلف صالحین کے طریقہ کے مطابق ہر دور میں مفسرین جن اصولِ تفسیر کی روشنی میں قرآن مجید کی تفسیر کا اہم فریضہ سرانجام دیتے چلے آرہے تھے۔سرسید نے اُن اصولِ تفسیر کو یہ کہہ کر ترک تو کر دیا کہ اسلاف نے کوئی ایسے اصولِ تفسیر نہیں بتائے ہیں جن سے وہ مشکلات جو درپیش ہیں حل ہو سکیں۔لیکن ان کی جگہ جو انہوں نے اپنے نظریات کی روشنی میں چند قواعد متعین کئے جنہیں انہوں نے اصولِ تفسیر کا نام دیا وہ کسی طرح بھی پہلے سے موجود سلف صالحین کے متعین کردہ اصولِ تفسیر سے بہتر نہیں ہیں۔لہذا سرے سے یہ بات ممکن ہی نہیں تھی کہ اِن اصولوں کی روشنی میں کی جانے والی تفسیر کے نتائج پہلی تفسیروں سے بہتر ہوتے بلکہ بہتری کے بجائے عقائد کے باب میں سرسید نے معاملات کو مزید الجھا دیا۔

حوالہ جات:

[1] آلِ عمران:۹

[2] مزمل:۱۸

[3] روم:۳۰

[4] سرسید، تفسیر القرآن وہوالہدای والفرقان، مقدمہ، رفاہ عام سٹیم پریس، لاہور، ۱۹۹۵، جلد ا، ص:۵۴

[5] حم السجدہ:۴۲

[6] سرسید، تفسیر القرآن وہوالہدای والفرقان، رفاہ عام سٹیم پریس، لاہور، ۱۹۹۵، جلد ا، ص:۱۸

[7] ایضا، جلد ا، ص: ۲

[8] سر سید، تفسیر القرآن وہوالہدای والفرقان، رفاہ عام سٹیم پریس، لاہور، ۱۹۹۵، جلد ا، ص: ٦

[9] سر سید، احمد خان، تفسیر القرآن وہوالہدای والفرقان، رفاہ عام سٹیم پریس، لاہور، ۱۹۹۵، جلد ا، ص: ٦

[10] اسمعیل، پانی پتی، مولانا، محمد (مرتب)، : مقالاتِ سر سید، مجلس ترقی ادب، کلب روڈ، لاہور، ۱۹۸۴، جلد ۲، ص: ۲۵۳

[11] ڈاکٹر، معید الرحمن، سر سید کا اصول تفسیر اور شرحیات، ص: ا

[12] ڈاکٹر، معید الرحمن، سر سید کا اصول تفسیر اور شرحیات، ص: ا

[13] ابن تیمیہ، تقی الدین احمد، امام، اصول تفسیر، مولانا عبد الرزاق ملیح آبادی، (مترجم) المکتبہ السلفیہ، شیش محل روڈ، لاہور، ص: ۴۷

[14] ایضًا

[15] اسمعیل، پانی پتی، مولانا، محمد (مرتب)، : مقالاتِ سر سید، مجلس ترقی ادب، کلب روڈ، لاہور، جلد ۲، ص: ۱۸۸، سن ۱۹۸۴،

[16] ایضًا، ص: ۱۹۰

[17] ایضًا، ص: ۱۹۰

[18] ایضًا، ص: ۸۹

[19] اسمعیل، پانی پتی، مولانا، محمد (مرتب)، : مقالاتِ سر سید، مجلس ترقی ادب، کلب روڈ، لاہور، جلد ۲، سن ۱۹۸۴، ص: ۱۹۲

[20] سر سید، احمد خان، تفسیر القرآن وہوالہدای والفرقان، رفاہ عام سٹیم پریس، لاہور، ن,م، جلد ا، ص: ۷

[21] سر سید، احمد خان، تفسیر القرآن وہوالہدای والفرقان، رفاہ عام سٹیم پریس، لاہور، ۱۹۹۵،، جلد ا، ص: ۲٦، ۲۷